Fikr-o-Nasar (Islamabad) 29:4 (1992)

پیــــر صاحب *

خورشید رضوی

ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب کا نام میں نے سب سے پہلے اپنے استاد مرحوم ڈاکٹر صوفی محمد ضیاء الحق صاحب سے سنا ۔ ڈاکٹر صوفی صاحب مولانا اصغر علی روحی کے فرزند اور ان کے علمی جانشین تھے ۔ عربی کے میدان میں ان کی زبان سے کسی کے لئے تعریفی کلمات کو ان کے تلامذہ سند کا درجہ دیتے ہیں ۔ چنانچہ پیر صاحب کو دیکھنے سے قبل ھی میں گویا غائبانہ ان کا مرید ھو چکا تھا ۔ لیکن یہ اندازہ نہ تھا کہ ملاقات کے بعد اس ارادت میں کتنا اضافہ ھو جائے گا ۔

پہلی ملاقات کا شرف مجھے کوئی بارہ برس قبل ادارہ تحقیقات اسلامی ھی کے توسّط سے حاصل ھوا ۔ ادارہ ان دنوں سوک سنٹر والی عمارت میں تھا ۔ پیر صاحب صغانی کی ,,العباب الزاخر،، پر اپنے یادگار کام کے سلسلے میں بڑی پابندی سے روز ادارے کے کتب خانے میں آتے تھے ۔ وھیں یہ سعادت حاصل ھوئی ۔ میں ان دنوں قدیم عربی ادب پر کچھ کام کر رھا تھا ۔ نکلسن نے دور جاھلیت میں شاعر کی حیثیت سے متعلق لکھتے ھوئے ایک حوالہ میدانی کی ,,مجمع الأمثال،، کے جرمن ترجمے کا دیا تھا جو سامنے نہ تھا اور یہ پتہ چلانا ازحد دشوار ھو رھا تھا کہ میدانی نے یہ بات اس ضخیم تصنیف میں کہاں

* اس مضمون کا ابتدائی خاکہ ,فکرونظر، اکتوبر ۔ دسمبر ۱۹۸۷ء میں شائع ھو چکا ہے ۔

لکھی ہے۔ میں نے اس الجھن کا ذکر پیر صاحب سے کیا تو فی الفور انھوں نے فرمایا یه بات غالباً فلاں مثل کے تحت آئی ہے اور مثل کے الفاظ دھرا دیئے ۔ پھر فوری طور پر کتب خانے سے ,,مجمع الأمثال،، نکال کر مجھے وہ عبارت دکھا دی ۔ میں ان کے استحضار علمی اور قوت حافظه پر حیران رہ گیا ۔ ایک آدھ اور مسئلے پر بھی انھی دنوں استفسار کا اتفاق ھوا اور ایسا ھی شافی جواب ملا ۔ ان کی علمیّت جو پہلے ,,شنیدہ،، کے ذیل میں آتی تھی اب ,,دیدہ،، کے درجے تک پہنچ گئی ۔

۱۹۸۵ء میں جب مجھے خود ادارے سے وابسته ھو جانے کا موقع ملا تو پیر صاحب کو زیادہ قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ۔ تب مجھے احساس ھوا که جو چیز ان کے علم سے بھی زیادہ متاثّر کرنے والی ہے وہ ان کی شخصیّت اور کردار ہے۔ اسلام آباد کی یخ بسته صبحوں میں اس پیرانه سالی ــ (پیر صاحب کی پیدائش۱۹۰۴ء کے لگ بھگ کی ہے) ــ کے باوجود وہ پابندی سے ھر روز کچھ فاصله پیدل اور کچھ بسوں میں طے کرکے ادارے کا کتب خانه کھلتے ھی تشریف لے آتے تھے اور کسی سے کوئی غیر ضروری بات کئے بغیر ایک گوشے میں ، جو ان کے لئے مخصوص تھا، بیٹھ کر اپنے کام میں مصروف ھو جاتے تھے ۔ ان کی پابندی وقت سے شاید بعض لوگوں کو یه غلط فہمی بھی ھوئی ھو که وہ ادارے میں ملازمت کرتے ھیں حالانکه مختلف سرکاری وغیر سرکاری تعلیمی اداروں میں اعلی مناصب پر فائز رھنے کے بعد اب ایک مدّت سے وہ ریٹائرڈ زندگی بسر کر رھے ھیں ۔ اور ان کے تمام تر علمی مشاغل خالص رضاکارانه ھیں ۔

پیر صاحب کی شخصیت میں چونکه مجھے ایک خاص جاذبیّت محسوس ھوتی تھی اور ان کی صحبت میں دل کی کشادگی کا

احساس ہوتا تھا اس لئے میں اکثر ان کے پاس کچھ وقت گزارتا تھا ۔ میں نے دیکھا کہ ان میں کم آمیزی کے ساتھ ساتھ دل آویزی بھی ہے۔ کوئی نہ آئے تو وہ مدّتوں خاموش اور خود مست بھی رہ سکتے ہیں ۔ لیکن کوئی آ بیٹھے تو کام چھوڑ کر پوری محبت وشفقت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ بھی ہو سکتے ہیں ۔ کم از کم میرا تجربہ یہی رہا ہے کہ ہمیشہ میں نے خود ان سے اجازت لی ہے۔ انہوں نے کبھی بھی مجھے تنگیٔ وقت کا احساس نہیں دلایا ۔

اِن گاہ گاہ کی مجالس میں اگرچہ عموماً کوئی معیّن موضوع زیر بحث نہیں ہوتا تھا تاہم عربی زبان سے متعلق علمی نکات کسی نہ کسی مناسبت سے پیر صاحب کی زبان سے پھوٹتے رہتے تھے ۔ جو انہوں نے نہ جانے کتنے ضخیم دفتر چھان کر مہیّا کئے تھے اور مجھ ایسے خوش نصیب نکھٹّو کو مفت حاصل ہو جاتے تھے ۔

کسی دن باتوں باتوں میں فرماتے ,,قوم،، کا لفظ عربی میں مردوں کے لئے خاص ہے عورتوں کا تصوّر اس میں شامل نہیں،چنانچہ شاعر کا شعر دیکھئے :

ولا أدری ولستُ إخالُ أدری

أقومٌ آلُ حِصْنٍ أَمْ نِساءُ

اور سب سے بڑھ کر دیکھئے کہ خود قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے :
,,یاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لاَیَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسیٰٓ أَنْ یَکُوْنُوا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلاَ نِسَآءٌ مِنْ نِّسَآءٍ عَسیٰٓ اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ،، (۱۱/۴۹)

کسی دن ارشاد ہوتا کہ وزن ,,فِعال،، کی جمع اگر مذکر ہو تو ,,أفعِلة،، آتی ہے اور اگر مؤنّث ہو تو ,,أفْعُل،، ۔ لفظ ,,لِسان،، بروزن ,,فِعال،، چونکہ مذکر/اور مؤنّث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے لہذا اس کی جمع بھی دونوں طرح جائز ہے یعنی ,,ألْسِنَة،، اور ,,ألْسُن ،، ۔ کبھی

,,مَیّت ،، اور مَیْت،، کے باریک فرق پر روشنی ڈالتے کہ ,,مَیْت،، کا اطلاق صرف مردے پر ہوتا ہے جیسا کہ اعشیٰ کے شعر میں ہے (یہ شعر پیر صاحب کو بہت پسند ہے) :

لَوْ أَسْنَدَتْ مَیْتاً إِلیٰ نحـرِھا

عاشَ وَلَمْ یُحْمَلْ إِلیٰ قابِـرٍ

جبکہ ,,مَیِّت،، میں یہ مفہوم بھی موجود ہے اور اس کے علاوہ زندہ پر بھی اس کا اطلاق باعتبار انجام ہو سکتا ہے۔ چنانچہ کلام پاک میں آتا ہے :

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَیِّتُوْن (۳۹/۳۰) ۔

ایسے موقع پر ,,مَیْت،، استعمال نہیں کیا جا سکتا ۔ دونوں کے فرق کے بارے میں کسی نے یہ دو شعر نظم کر دیئے ھیں :

أیا سائلی تفسیْرَ مَیْتٍ و مَیِّتٍ

فَدُونَکَ قَدْ أَدْرَکْتَ إِن کنتَ تعقِلُ

فَمَنْ کانَ ذا رُوحٍ فذٰلکَ مَیِّتٌ

وَمَا المَیْتُ إِلاَّ مَنْ إِلَی القَبْرِ یُحْمَلُ

یہ شعر سنا کر غالباً یہ بھی فرمایا تھا کہ پہلے شعر میں ٹھیک یاد نہیں آ رہا ,,قَدْ أَدْرَکْتَ ،، کے الفاظ تھے یا ایسے ھی کچھ اور الفاظ ۔ یہ وضاحت پیر صاحب کے مزاج میں علمی احتیاط کی نشان دھی کرتی ہے۔

ایک روز ,,لُثغہ،، یعنی زبان کے اس عیب پر بات چل نکلی جس میں کوئی شخص کسی خاص حرف کے ادا کرنے پر قادر نہیں ھوتا ۔ پیر صاحب نے سنایا کہ ایک شخص ,, ر ،، ادا نہیں کر سکتا تھا لیکن تھا بڑا زبان دان اور قادر الکلام ۔ کسی نے اس کی کمزوری کو بھانپ کر اس سے کہا کہ یہ پیغام کسی کو پہنچا دو کہ :

,,أمر أمير الأمراء أن يُّحفَرَ بِئرٌ فی طریق لِیَرِدَ علیه الوارد والصّادُر"۔
اس نے جواب دیا ٹھیک ہے میں کہہ دوں گا کہ :
,,حکَمَ حاکمُ الحُکّام أنْ یُنبثَ قَلِیْبٌ فی سَبِیْلٍ لِیَستقیَ منه الجائی والذّاهب"۔

کبھی اپنے استاد محترم ، مولانا محمد عالم آسی کی بے پناہ علمی استعداد کے ساتھ ساتھ نام و نمود سے ان کی نفرت کا ذکر کرتے ، ان کی تصانیف پر روشنی ڈالتے اور عربی زبان پر ان کی زبردست قدرت سے متعلق کچھ واقعات سناتے (پیر صاحب اپنے اساتذہ میں سب سے زیادہ انہی کے مدّاح ومعترف نظر آتے ہیں) ۔

ایک زمانے میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے بعض احباب نے طے کیا کہ پیر صاحب سے روزانہ عربی ادب کی کسی بنیادی کتاب کا درس لیا جایا کرے ۔ چنانچہ پیر صاحب نے مبرّد کی کتاب **الکامل** کی تدریس شروع کی ۔ ان اسباق میں مَیں بھی شامل رہا لیکن افسوس کہ یہ سلسلہ زیادہ عرصے تک جاری نہ رہ سکا ۔

پیر صاحب کو آغاز ھی سے ورزش اور پیراکی سے شغف رہا ہے۔ ہر چند کہ اب ان کے قوی بھی اضمحلال کی طرف مائل ہونے لگے ھیں تاهم ماضی کی سخت کوشی کا اثر ان کے مزاج پر آج بھی نظر آتا ہے ۔ ان کی طبیعت میں بلا کا استقلال ہے ۔ وہ پانی کے اس مسلسل ٹپکنے والے قطرے کی طرح سرگرم عمل رہتے ھیں جو بالآخر پتھر میں سوراخ کر دیتا ہے ۔ جس زمانے میں پابندی سے ادارے میں آیا کرتے تھے تو صورت یہ تھی کہ بخار کی کیفیت ہے مگر پیر صاحب باقاعدگی سے آ رہے ھیں اور کام مسلسل جاری ہے ۔ ماہ رمضان میں پابندیٔ صوم کے باوجود معمولات پر کوئی اثر نہیں ۔ طبیعت میں انتہائی تحمّل اور ٹھہراؤ ۔ جلد بازی نام کو نہیں ۔ تکلّف اور تصنّع

سے بری۔ زندگی کے بارے میں روّیہ نہایت مثبت اور حقیقت پسندانہ۔ حالات سے دل برداشتہ یا مشتعل ہونا انھوں نے سیکھا ہی نہیں۔ حالات کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہوں یہ جوئے کہستاں کی طرح اپنا راستہ نکال ہی لیں گے۔ وہ جُوئے کہستاں جس کے بارے میں علّامہ اقبال فرما گئے ہیں :

رُکے جب تو سِل چیر دیتی ہے یہ
پہاڑوں کے دِل چیر دیتی ہے یہ

پیر صاحب ,,کوشش بے ہودہ بہ از خفتگی،، کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔ وہ صحتِ جسمانی کا نسخہ بھی یہی بتاتے ہیں کہ بیٹھو مت، آخر تک متحرک رہو۔ ہر حال میں متحرک رہو خواہ آرام ہو یا تکلیف۔ کام کے سلسلے میں ان کا کہنا ہے کہ بعض لوگ عمر کی ناپائیداری کو دیکھ کر کام سے جی اُچاٹ کر لیتے ہیں اور یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ موت سر پر کھڑی ہے کام سے کیا حاصل۔ پیر صاحب کا خیال عین برعکس ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کام اسی لئے کرنا ضروری ہے کہ موت سر پر کھڑی ہے۔

پیر صاحب کے کردار میں دوئی کو دخل نہیں۔ ان کے ظاہر و باطن کے درمیان خلیج نہیں۔ جو زبان سے کہتے ہیں کامل دیانت داری سے اسی پر یقین رکھتے ہیں۔ شاید اُن کا حافظہ اسی لئے اتنا اچھا ہے کہ وہ جو کچھ زبان سے کہہ دیں اس کی پاسداری کا انہیں ازحد خیال رہتا ہے۔ کہہ کر بھول جانا ان کی سرشت سے دور ہے۔ معاملات کی صفائی میں آئینہ کردار ہیں۔ پنسل کا ایک ٹکڑا بھی کسی کا اگر ان کے پاس رہ جائے تو چل کر جائیں گے اور اسے دے کر آئیں گے۔ کسی سے کچھ مانگنا ان کی طبیعت سے کوئی مناسبت ہی نہیں رکھتا۔ ادارے میں ان کی آمدورفت کے زمانے میں

میں نے دیکھا کہ سخت سردی کا موسم ہو، جوڑوں میں درد ہو، یہ ادارے سے پیدل ہی چل کر چوک تک جائیں گے ۔ ازخود اگر کوئی عقیدت مند سواری ٹھہرا لے تو دوسری بات ہے یہ ہرگز کسی سے نہ کہیں گے ۔ انھوں نے زندگی کے مسائل کو کبھی لفٹ نہیں دی لہذا لفٹ لینے کے بھی قائل نہیں ۔ ہر روز کاغذ قلم سب کچھ ، اپنا ساتھ لاتے تھے ایک ورق بھی کہیں سے لینا پڑ جائے تو ان کے دل پر بار ہوتا ۔ ہاں مگر میں نے کئی بار پیر صاحب کے کاغذ پر ہاتھ صاف کیا اور دل پر کوئی بار بھی محسوس نہ کیا کیونکہ کچھ دیتے وقت پیر صاحب کی آنکھوں میں سبک سبک سی ایک روشنی ہوتی ہے جو لینے والے کے دل تک سرایت کر جاتی ہے۔ زهیر نے کیا خوب کہا ہے:

تراه اذا ما جئته ، متهلّلاً
كانك تعطيه الذی انت سائلهُ

,,اس کے پاس تم آتے ہو
تو مسّرت کی چمک اس کے چہرے پر پاتے ہو
گویا جو کچھ تم اس سے مانگ رہے ہو
مانگ نہیں رہے بلکہ اُسے دے رہے ہو ،،

پیر صاحب نے ادارہ تحقیقات اسلامی میں سترہ برس اسی استقلال کے ساتھ صغانی کی ,,العباب الزاخر،، کی تحقیقِ متن میں گزارے اور اسے بارہ جلدوں میں جو چھ ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں،مکمل کر دیا ۔ یہ ایک ٹیم کا کام تھا جو ایک فرد نے انجام دیا ۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں ابھی تک تحقیقِ متن کی اہمیت تو درکنار ، اس بات کا شعور بھی عام نہیں ہو سکا کہ یہ کام ہوتا کیا ہے۔ عموماً لوگ یہ تصوّر کرتے ہیں کہ کسی پرانے مخطوطے کو ذرا صاف کرکے لکھ دینے کا نام ایڈیٹنگ یا تحقیقِ متن ہے ۔ چنانچہ

سوچتے هیں که مُتون کے محقّق برسوں کیا کرتے رهتے هیں جبکه کتابیں تو لکھنے والے لکھ گئے ۔ انهیں یه سمجھانا کس قدر دشوار ہے که بسا اوقات ایک کتاب کی تصنیف میں اتنا وقت اور محنت صرف نهیں هوتی جتنی ایک قدیم مخطوطے کو صحیح معنوں میں زنده کرنے پر صرف هوتی ہے ۔

پیر صاحب نے یه جانکاه کام صله وستائش، سود وزیاں هر چیز سے بے نیاز هو کر کیا اور اس پر عمر عزیز کا ایک طویل حصه صرف کر ڈالا ۔ اگر کوئی ناشناس کبھی ان سے پوچھتا که آپ کیا کام کر رهے هیں ؟ تو کمال متانت سے صرف اتنا کهه دیتے ,,یه ایک ایسا کام ہے جو میں آپ پر واضح نه کر سکوں گا " ۔

اس طویل کام کی انجام دهی کے دوران جو مصادرِ لُغت، اداره تحقیقاتِ اسلامی کے کتب خانے میں پیر صاحب کے زیرِ استعمال رهے ان کے حواشی پر جابجا انهوں نے بعض ملاحظات وتصحیحات اپنے قلم سے درج کر دی هیں اور اکثر باریک خط میں ,,حسن" لکھ دیا ہے جو ان کے مختصر دستخط هیں ۔ اس وقت ان ملاحظات کی علمی قدر وقیمت پر گفتگو ممکن نهیں ۔ اگر ان تمام کتب کو ، جو پیر صاحب کے زیر استعمال رهیں، کھنگال کر ان ملاحظات کو یکجا کر لینے کا اهتمام کیا جا سکے تو یه ایک مفید علمی خدمت هوگی ۔ اس وقت نمونه مشتے از خروارے کے طور پر صرف ,,لسان العرب " کو لے لیجیئے ۔ آئیے بے ترتیبی سے اسے کهیں کهیں سے کھول کر دیکھیں ۔ ماده م ص ح کے تحت ابن منظور نے لکھا ہے :

,,مصَحَ بالشیء یمصح مصحا ومصوحا : ذهب ؛ قال ذو الرّمّة : والهجرُ بالآل یمصح "

گویا ذو الرّمه کا پورا شعر یا پورا مصرعه مذکور نهیں بلکه صرف وه

ٹکڑا نقل کیا گیا ہے جس میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ پیر صاحب نے اس کے حاشیے پر لکھا ہے :

,,تمام البیت وصوابه :

وَبَيْدَاءَ مِقْفارٍ يَكَادُارْتِكَازُها

بِآلِ الضُّحٰى والهَجْرِ بِالطَّرْفِ يَمْصَحُ "

گویا ایک تو مکمل شعر تلاش کرکے لکھا ہے ، کیونکہ یہ شعر جب تک مکمل سامنے نہ ہو اس غلط فہمی کا اندیشہ ہے کہ ,,یمصح" کا فاعل ,,الھجر" ہے۔ حالانکہ یہاں فاعل مصرعۂ اوّل میں لفظ ,,ارتکاز" ہے۔ دوسرے یہ کہ ابن منظور کی روایت میں ,,بالطرف" کی جگہ ,,بالآل " درج ہو گیا ہے جس کی تصحیح پیر صاحب نے فرما دی ۔

مادّہ ,, ذ أ ج " کے تحت لسان العرب کے مطبوعہ نسخے میں الفرّاء کے حوالے سے لکھا ہے :

,,ذَئِجَ وَضَئِمَ و صَئِبَ و قَئِبَ إذا أكثرِ مِنْ شُرْبِ المَاءِ "

پیر صاحب نے حاشیے پر تصحیح کرتے ہوئے ,,ضَئِمَ" ضاد معجمہ کے بجائے ,,صَئِمَ" صاد مہملہ سے لکھا ہے۔ اعتماد کے ساتھ اس ایک نقطے کی درستی کرنے کے لئے بلاکی نکتہ رسی اور لغاتِ عرب پر زبردست عبور درکار ہے۔

مادّہ ,,و د ج " کے تحت اسی مطبوعہ نسخے میں ہے :

,,والوریدان النَّبْضُ والنَّفَسُ "

پیر صاحب نے ,,لِلنَّبض" لکھ کر الأزھری کی تہذیب اللّغة جلد ۱۱ کے صفحہ ۱٦۱ کا حوالہ بھی دے دیا ہے۔ اہل نظر دیکھ سکتے ھیں کہ ,,للنّبض" کی جگہ ,,النّبض" پڑھنے سے مفہوم کس قدر مبہم تھا ۔ یہ تحقیقِ متن کی فروگذاشت ہے۔ اس سے تحقیقِ متن کی اپنی

اهمیّت بھی واضح ہوتی ہے اور اس ژرف نگاھی کا بھی سراغ ملتا ہے جو خود پیر صاحب نے تحقیقِ متن میں صرف کی ہے۔

تہذیب اللّغة کا ذکر آیا ہے تو مادّہ ,,ف ر ش ،، میں یہاں بھی ایک مثال دیکھتے چلیں ۔ مطبوعہ متن میں درج ہے :

,,أفرشتِ الفرسُ إذا استأَنَتْ ،،

پیر صاحب نے حاشیے پر لکھا ہے :

,,الصّوابُ استأتَتْ أَیْ طَلَبَتْ أَنْ تُوتیٰ ،،

پھر اسی مادّے میں کچھ آگے چل کر درج ہے :

,,وقال الّشُمّاخُ ،،

پیر صاحب نے لکھا ہے :

,,هو لذی الرُّمّة ؛ راجع دیوانه : ۱۳۷ ،،

اندازہ کیجیئے کہ پیر صاحب نے کس عرق ریزی سے لغت کی امہات الکتب کو کھنگالا ہے اور تقابلی مطالعے کے بعد ہر کتاب میں طباعت یا تحقیقِ متن یا خود مصنف کے التباسات کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔

,,العباب الزّاخر،، میں پیر صاحب کے منہجِ تحقیق کے بارے میں اختصار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر اعتبار سے بین الاقوامی معیار پر پورا اترتا ہے۔ پیر صاحب نے تمام مسوّدہ ، مکمل زیر زبر کے ساتھ اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ جہاں کسی ناخواندہ حصے کو کسی دوسرے مصدر کے موازنے سے درست کیا ہے ، پاورق میں حوالہ دیا ہے۔ جہاں کسی لفظ کا اضافہ کیا ہے، معروف طریقے کے مطابق اسے حاصرتین (کھڑے بریکٹ) میں رکھا ہے ۔ اگر کہیں متن توضیح طلب ہے تو حاشیے میں توضیح فراہم کی ہے۔ اگر اس سلسلے میں کسی اقتباس کی ضرورت ہوئی ہے تو اقتباس مع حوالہ لایا گیا ہے۔ اگر کسی نکتے

پر سربرآوردہ لغت نویسوں میں کوئی اختلاف یا باہم ایک دوسرے پر کوئی تبصرہ قابلِ ذکر ہے تو اس کا ذکر بھی حواشی میں لایا گیا ہے۔ لیکن اس تمام کام میں غیر ضروری اطناب سے گریز کیا گیا ہے۔ اور حواشی کو ہر ممکن حد تک ہلکا رکھا گیا ہے۔

,,العباب الزاخر،، کی تحقیقِ متن میں پیر صاحب کا زاویۂ نگاہ خالصةً علمی و معروضی ہے۔ چنانچہ انہوں نے صغانی کے ماله کے ساتھ ساتھ ماعلیه بھی بے تکلّف بیان کیا ہے۔ باب الھمزة کے ساتھ مطبوعہ مقدمے میں کئی مثالیں ایسی نقل کی گئی ھیں جن میں ، پیر صاحب کے خیال کے مطابق ، صغانی نے حوالہ دیئے بغیر زمخشری اور یاقوت کی تحریروں سے جوں کے توں اقتباس لے لئے ھیں یا ان میں تھوڑا بہت ردّ و بدل کر دیا ہے۔ یہ چیز نہ صرف پیر صاحب کی معروضیت کا پتہ دیتی ہے بلکہ اس جانکاہ محنت کا بھی سراغ فراہم کرتی ہے جو انہوں نے ,, العباب،، کے اندراجات کا دیگر مصادرِ لُغت سے بدقّتِ نظر موازنہ کرنے میں صرف کی ہے۔

پیر صاحب نے صغانی کے بعض التباسات کا ازالہ بھی کیا ہے مثلاً صغانی نے کہا ہے کہ ,,جُنْجُب،، مدینۂ منوّرہ کے نواح میں ایک چشمہ کا نام ہے۔ پیر صاحب نے یاقوت الحموی کے حوالے سے یہ وضاحت کی ہے کہ دراصل یہ چشمہ یمامہ کے قرب و جوار میں ہے۔ پھر مزید جستجو کرکے یہ بھی بتایا ہے کہ صغانی کو غلط فہمی شاید ,,ابنِ دُرید،، کی ,,جمھرة اللغة،، سے ھوئی ہے جس میں اس نے ,,جُنْجُب،، کے ذیل میں مندرجہ ذیل شعر سے استشھاد کیا ہے :

یا دارَ سلمٰی بجنوبِ یَتْربِ
بِجُنْجُبٍ وَّ عَنْ یَمِیْنِ جُنْجُبِ

,,یترب ،، تائے مثنّاۃ سے ، یمامہ کے قریب ایک مقام ہے اور وھی اس

شعر میں مراد ہے۔ صغانی کو التباس ہوا اور اسے ,,یثرب،، ، ثائے مثلثہ، سے تصور کرتے ہوئے ,,جُنْجُب،، کا محلِّ وقوع مدینہ منوّرہ کے نواح میں قرار دے دیا ۔ اہلِ نظر خوب اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس طرح کی ایک تصحیح کے لئے علم کی کتنی گہرائی ، مطالعے کی کتنی وسعت اور کس قدر جانکاہ محنت درکار ہے۔ پیر صاحب نے چھ ہزار سے زائد صفحات پر ایسی ہی محنت صرف کی ہے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ پیر صاحب نے اپنے علمی سفر کے آغاز میں بھی تحقیقِ متن کا ایک اہم کام سرانجام دیا تھا جو ہنوز زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکا ۔ یہ شہرزوری کی ,,نزهة الأرواح و روضة الافراح،، کے اس حصے کی ایڈیٹنگ تھی جو مسلم فلاسفہ سے متعلق ہے۔ یہ پیر صاحب کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ تھا جس پر پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے ۱۹۳۸ء میں پی ایچ ۔ ڈی کی ڈگری عطا کی گئی ۔

تحقیقِ متن کے علاوہ پیر صاحب کا خاص میدان ترجمہ رہا ہے اور بیشتر توجہ کتبِ تصوف پر رہی ہے۔ ان کے قلم سے کتاب اللُّمع، الإبریز، الرسالة القشیریّة ، التعرّف اور لمحات جیسی کتب کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں ۔ آلوسی کی ضخیم تصنیف بلوغ الارب کا ترجمہ بھی بطور خاص قابلِ ذکر ہے۔

سامعین ! پیر صاحب کی شخصیّت اور ان کے علمی کارناموں کی حکایت لذیذ تھی لہذا کسی حد تک ,,دراز تر گفتم،، کے ذیل میں جاپڑی ۔ اگرچہ ان کے اوصافِ حمیدہ کی وسعت کے پیش نظر یہ ہنوز تشنہ و مختصر ہے۔ تاہم اس احساس کے ساتھ کہ آج کی بزم میں مجھ سے بہت بہتر لوگوں کو اظہارِ خیال کرنا ہے،میں اپنی معروضات کو سمیٹتا ہوں اور اختتام ابوالعلاء المعرّی کے ایک شعر پر

کرتا ہوں جو ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب کو دیکھ کر یاد آنا چاہیئے :

وإنّی و إن کُنتُ الأخیرَ زمانُہٗ
لآتٍ بما لَمْ تستطعه الأوائلُ

,,میں وہ ہوں کہ ہر چند میرا زمانہ بعد کا ہے
مگر میں وہ کام کر دکھاؤں گا جو اگلوں سے نہ بن پڑے "

★★★